# فہمِ قرآن

## شاہ ولی اللہؒ کی نظر میں

مرتب: حافظ محبوب احمد خان

فہم قرآن کے ضمن میں بہت سے ادارے مختلف اسلوب کے ساتھ تعلیم و تربیت کا کام کر رہے ہیں۔ کچھ ادارے براہِ راست قرآن فہمی کے لیے چند معاون مضامین پڑھاتے ہیں جبکہ بعض اداروں میں فہم قرآن کے لیے معاون مضامین کا سلسلہ خاصا طویل ہے۔ ہندوستان میں فہم قرآن کے حوالے سے جو شخصیت سب سے نمایاں ہے وہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ہے جنہوں نے اپنے دور میں ترجمۂ قرآن کے لیے فارسی زبان کو اپنایا اور انتہائی نامساعد حالات میں نتائج سے بے پرواہ ہو کر کلام اللہ کا نہ صرف انتہائی سلیس ترجمہ کیا بلکہ بعض مقامات پر مختصر تشریح بھی لکھ دی۔ اُس وقت کے علماء نے اس پر کافی شور وغل بھی کیا کہ شاہ ولی اللہ نے قرآن پاک کا ترجمہ کر کے ایک بدعت کی بنیاد ڈالی ہے اور یہ سراسر کفر والحاد ہے۔ بات محض زبانی مخالفت تک نہ رہی بلکہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ شاہ ولی اللہ کو کچھ عرصے کے لئے دہلی کو خیر باد کہہ کر مراد آباد کی راہ لینا پڑی۔

ترجمۂ قرآن کریم کے ضمن میں جو ردِّ عمل اُس وقت معاشرے میں ہوا اس کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس بات کو پیش نظر رکھا جائے کہ شاہ ولی اللہؒ سے قبل مذہب کے معاملے میں جس قدر بھی تعلیمات عام تھیں ان کا زیادہ تر تعلق منطق، فلسفہ، نحو اور فقہ سے تھا اور عوام کی نظر میں یہی اسلامی تعلیمات تھیں۔ تاہم دینی تعلیمات کے نصاب میں مرکزی حیثیت قرآن و حدیث کو حاصل نہیں تھی، بلکہ ہندوستان میں بادشاہوں اور امراء کی اشیر باد کے ساتھ ماحول ہی ایسا بن گیا تھا کہ قرآن و حدیث پس منظر میں چلے گئے تھے اور دینی تعلیم کا مدار دوسرے علوم پر ہی تھا۔

© rasailojaraid

## ترجمۂ قرآن کے ضمن میں ہندوستانی معاشرے کی صورت

اُس زمانے میں عام مسلمان اس غلط فہمی کا شکار تھے کہ محض تلاوتِ قرآن کریم سے قرآن کا حق ادا ہو جاتا ہے [1]۔ یہی وہ اہم سبب تھا جس نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو قرآن کا فارسی میں ترجمہ کرنے پر آمادہ کیا۔ اس ترجمے کی خوبی یہ ہے کہ اس میں مقدار، تعمیم اور تخصیص عربی کے بالکل مشابہ ہے۔ اگرچہ بعض مقامات پر ناظرین کی آسانی کے لیے اس شرط کو نظرانداز بھی کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا یہ پہلا فارسی ترجمہ ''فتح الرحمٰن'' کے نام سے شائع ہوا۔ تفسیر کے میدان میں اگرچہ ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی، جو شیر شاہ سوری کے استاد تھے، ان کی فارسی زبان میں تفسیر ''بحر مواج'' پہلے سے ہی موجود تھی، لیکن وہ زیادہ تر قرآن کریم کی شرح اور تفسیر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کا ترجمہ اپنے حسن و خوبی میں لاثانی ہے، اس کی مختصر تشریح بہت سے فوائد کی حامل ہے اور شارح نے جس نظر اور فکر سے قرآن کو سمجھا ہے یہ ترجمہ اس کا صحیح عکس ہے۔

شاہ صاحبؒ کے افکار کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک کی تفاسیر اور شروح کی تعلیم کو قرآن پاک کی تعلیم سے علیحدہ سمجھنا چاہیے۔ مختلف تفاسیر مختلف زمانوں میں حالات کے مطابق لکھی گئی ہیں اور حدیث میں آیا ہے کہ قرآن کریم کے علوم کے خزانے قیامت تک باقی رہیں گے اور ختم نہیں ہوں گے۔

قرآن کے بطریقِ تدبر مطالعے کے لیے شاہ صاحب نے اصولِ تفسیر پر مبنی ایک مختصر اور جامع کتاب ''الفوز الکبیر'' تصنیف کی۔ ان کی یہ فارسی تصنیف اپنا جواب نہیں رکھتی۔

شاہ ولی اللہ اس خیال کے حامی ہیں کہ تفسیری مطالعے کے علاوہ قرآن بغیر کسی تفسیر کے بھی پڑھا جائے اور استاد کو چاہیے کہ وہ شاگرد کو جہاں کہیں کوئی مشکل پیش آئے وہیں اس کا حل سمجھا دے۔ ایسا کرنے سے شاگرد کا حوصلہ بلند ہوگا اور ذہن کھل جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے صرف و نحو کے دو تین چھوٹے رسالے جو طالب علم کے ذہن کے مطابق ہوں، پڑھائے جائیں اور اس کے بعد کوئی تاریخی یا اخلاقی کتاب جو عربی زبان میں ہو پڑھائی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ جو کچھ لغوی مشکلات ہوں ان سے اس کو مطلع کیا جائے۔

---

(۱) شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے زمانے کی سوچ اور آج کی سوچ میں کئی سو سال گزرنے کے بعد بھی کوئی فرق واقع نہیں ہوا، بلکہ اب اس غلط فہمی کے ساتھ ساتھ مزید ابہام پیدا ہو گئے ہیں۔

com

اس طرح جب اُس کو عربی زبان پر قدرت حاصل ہو جائے تو اسے قرآن کریم کا ترجمہ پڑھایا جائے جس میں کسی بھی تفسیر کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ خیال رکھا جائے کہ جہاں قرآن کا مطلب شانِ نزول کے بیان یا نحوی ترکیب بتائے بغیر واضح نہ ہو سکے وہاں بقدر ضرورت بحث کی جائے اور درس قرآن سے فارغ ہونے کے بعد بقدر درس قرآن ''تفسیر جلالین'' پڑھی جائے۔

بغیر تفسیر کے مجرد متن قرآن پڑھانے کی ترویج ہندوستان میں شاہ صاحبؒ کے والد شاہ عبدالرحیمؒ کی ایجاد ہے جس کو شاہ صاحب نے خود رواج دیا اور خوب عام کیا' مگر افسوس کہ درس قرآن کے اس طریقے کو عام مدرسوں میں زندہ نہیں رکھا گیا۔ عام طور پر تفسیر کے درس میں آدمی حق تعالیٰ کے کلام سے ہٹ کر تفسیری تعبیرات میں پھنس جاتا ہے اور اپنی مشکلات حل کرنے میں اس کا اتنا وقت خرچ ہو جاتا ہے کہ قرآنی آیات کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا' جبکہ براہِ راست قرآن کریم کے پڑھانے سے آدمی پر بہت سے عجیب وغریب حقائق کا انکشاف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحاحِ ستہ کے درس سے پہلے' جس کا نام اُس زمانے میں ''دورۂ حدیث'' ہو گیا تھا' شاہ صاحب قرآن کا دورہ کراتے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ کلام پاک کے سمجھنے کے لیے آج کل یہ معیار مقرر کیا گیا ہے کہ طالب علم پہلے صرف ونحو' منطق' علم کلام' معانی اور بدیع وغیرہ میں کمال حاصل کر لے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالب علم کا سارا وقت ان فنون کے حاصل کرنے میں صرف ہو جاتا ہے اور اس کو قرآن پاک پر غور وفکر کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ یہی حالت آج کل ہمارے عربی مدارس کی ہے کہ وہاں قرآن پاک کی خالص تعلیم دی ہی نہیں جاتی' بلکہ قرآن پاک کی تفسیر کی تعلیم کو قرآن کی تعلیم سمجھا جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ شاہ صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے سمجھنے کے لیے جن مقدمات کی ضرورت ہے ان کو بقدرِ ضرورت ہی پڑھا جائے اور سمجھا جائے۔ یہ نہیں کہ ان مقدمات کو مستقل درجہ دے دیا جائے۔

یہ عجیب صورت حال ہے کہ تمام مسالک شاہ ولی اللہ سے عقیدت رکھتے ہیں اور ان کو اپنا امام مانتے ہیں مگر فہم قرآن کے ضمن میں ان کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ فہم قرآن کے ضمن میں عام مسلمانوں کو بہت سے مغالطے لاحق رہتے ہیں۔ انہی میں کہیں چودہ علوم کا مغالطہ ہے تو کہیں ''قرآن بہت مشکل ہے'' کا فلسفہ ہے۔ آیئے ایک جھلک شاہ ولی اللہؒ کے پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے دور میں فہم قرآن کے ضمن میں لاحق مغالطوں کی دیکھتے

© rasailojaraid

ہیں، جن کو انہوں نے اپنی کتاب ''تقویۃ الایمان'' میں یوں بیان کیا ہے:

''اور یہ جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ و رسول کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے' اس کو بڑا علم چاہئے' ہم کو وہ طاقت کہاں کہ اُن کا کلام سمجھیں' اور اس راہ پر چلنا بڑے بزرگوں کا کام ہے' سو ہماری کیا طاقت کہ اس کے موافق چلیں' بلکہ ہم کو یہی باتیں کفایت کرتی ہیں' سو یہ بات بہت غلط ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں باتیں بہت صاف و صریح ہیں' ان کا سمجھنا مشکل نہیں۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ﴾

''اور بے شک اتاریں ہم نے تیری طرف باتیں کھلی' اور منکر ان سے وہی ہوتے ہیں جو بے حکم (نافرمان لوگ) ہیں''۔

یعنی ان باتوں کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں' بلکہ ان پر چلنا مشکل ہے' اس واسطے کہ نفس کو حکم برداری کسی کی بری لگتی ہے۔ سو اس لیے جو لوگ بے حکم ہیں وہ ان سے انکار کرتے ہیں۔ اور اللہ و رسول کا کلام سمجھنے کے لیے بہت علم نہیں چاہئے' کیونکہ پیغمبر تو نادانوں کے راہ بتانے اور جاہلوں کو سمجھانے اور بے علموں کے علم سکھانے کو آئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الجمعہ میں فرمایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

''اور اللہ وہ ہے کہ جس نے کھڑا کیا نادانوں میں ایک رسول ان میں سے کہ پڑھتا ہے اُن پر اُس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے اُن کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور عقل کی باتیں' اور بے شک تھے وہ پہلے سے صریح گمراہی میں۔''

یعنی یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے کہ اس نے ایسا رسول بھیجا کہ اس نے بے خبروں کو خبردار کیا اور ناپاکوں کو پاک اور جاہلوں کو عالم اور احمقوں کو عقلمند اور راہ بھٹکے ہوؤں کو سیدھی راہ پر۔ سو جو کوئی یہ آیت سن کر پھر یہ کہنے لگے کہ پیغمبر کی بات سوائے عالموں کے کوئی سمجھ نہیں سکتا اور ان کی راہ پر سوائے بزرگوں کے کوئی چل نہیں سکتا سو اُس نے اس آیت کا انکار کیا ہے اور اس نعمت کی قدر نہ سمجھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جاہل لوگ ان کا کلام سمجھ کر عالم ہو جاتے ہیں اور گمراہ لوگ ان کی راہ چل کر بزرگ بن جاتے ہیں۔ اس بات کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک بڑا حکیم ہو اور ایک بہت بیمار' پھر کوئی شخص

اس بیمار سے کہے کہ فلانے حکیم کے پاس جا اور اس کا علاج کرا' اور وہ بیمار یہ جواب دے کہ اس کے پاس جانا اور اس سے علاج کرانا تو بڑے بڑے تندرستوں کا کام ہے' مجھ سے کیونکر یہ ہوسکتا ہے' کیونکہ میں سخت بیمار ہوں' سو وہ بیمار احمق ہے اور اس حکیم کی حکمت کا انکار کر رہا ہے' اس واسطے کہ حکیم تو بیماروں ہی کے علاج کے واسطے ہے۔ جو تندرستوں ہی کا علاج کرے اور انہیں اس کی دوا سے فائدہ ہو اور بیماروں کو کچھ فائدہ نہ ہو تو وہ حکیم کا ہے کا! غرض جو کوئی بہت جاہل ہے اس کو اللہ ورسول کا کلام سمجھنے میں زیادہ رغبت چاہیے اور جو بہت گنہگار ہو اُس کو اللہ ورسول کی راہ چلنے میں زیادہ کوشش چاہیے۔ سو یہ ہر خاص و عام کو چاہیے کہ اللہ ورسول ہی کے کلام کو تحقیق کریں اور اسی کو سمجھیں اور اسی پر چلیں اور اسی کے موافق اپنے ایمان کو ٹھیک کریں۔''

اس وقت فہم قرآن کے ضمن میں مختلف نصابات کے ذریعے تعلیم دی جا رہی ہے۔ اگرچہ عوام کی صورت حال کم وبیش وہی ہے جو آج سے چار پانچ صدیوں قبل تھی مگر امید رکھنی چاہیے کہ آہستہ آہستہ قرآن کریم کے ضمن میں عوام میں پھیلے ہوئے باطل نظریات ختم ہو جائیں گے اور وہ بوجھ جو فہم قرآن کے ضمن میں مذہبی طبقات نے اپنی گردنوں پر ڈالا ہوا ہے' کم ہوتا چلا جائے گا اور معاشرے میں قرآن کی روشنی پھیلتی چلی جائے گی۔ ہمارے معاشرے میں ایسی بہت سی شخصیات اور ادارے تیزی سے وجود میں آ رہے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کا فہم عام ہونے کی صورت میں نہ صرف فرقہ واریت کا خاتمہ ہوگا بلکہ جس تنگ نظری اور شدت پسندی کے باعث آج ہم دنیا میں ذلیل ورسوا ہو رہے ہیں وہ بھی ختم ہو جائے گی۔

## مآخذ ومصادر


۱) ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت' از مولانا مناظر احسن گیلانی

۲) حیاتِ ولی' حاشیہ

۳) الہام الرحمٰن' مولانا عبیداللہ سندھی

۴) ملفوظات شاہ عبدالعزیز

۵) قرآن پاک کا مطالعہ کیسے کیا جائے' مولانا عبیداللہ سندھی


© rasailojaraid